مرثیہ نمبر ۴۹

شہادت حضرت علی اکبرؑ

دشت بلا میں گم علی اکبرؑ کی لاش ہے
فرزند فاطمہ کو پسر کی تلاش ہے
زخم جگر پہ ناخنِ غم کی خراش ہے
سنگِ الم سے شیشۂ دلِ پاش پاش ہے
بانو کو غم ہے اہل حرم درد مند ہیں
ہے ہے پسر کی گھر میں صدائیں بلند ہیں

پوشیدہ چشم سے جو وہ نور نگاہ ہے
سبط نبیؐ کی آنکھوں میں دنیا سیاہ ہے
تھرا رہے ہیں ضعف سے حالت تباہ ہے
نعلین پاؤں میں ہے نہ سر پر کلاہ ہے
زردی ہے روئے پاک پہ زلفوں پہ خاک ہے
دامن تلک قبا کا گریبان چاک ہے

اللہ رے جوش ماتم فرزند گل عذار
غم سے سفید ہو گئی ریش خضاب دار
مثل کماں خمیدہ ہیں شاہ فلک وقار
کھوئے ہوئے پسر کے الم میں بے قرار
گھوڑے کی باگ ہاتھ سے ہر بار گرتی ہے
صورت جوان بیٹے کی آنکھوں میں پھرتی ہے

چلاتے ہیں کیں باپ کے پیارے کدھر گئے
اے نور چشم آنکھوں کے تارے کدھر گئے
اے میری زندگی کے سہارے کدھر گئے
پہونچا کے ہم کو گور کنارے کدھر گئے

اندھیر ہے جہاں تمھیں پائے گا پدر
آواز دو گے تم تو چلا آئے گا پدر

روٹھے ہو کس لئے علی اکبر جواب دو
صدقے ہو باپ اے مرے دلبر جواب دو
اے ہم شبیہ خاص پیمبر جواب دو
تم سے بچھڑ کے زیست ہو کیونکر جواب دو

جو راہ ہے تمھاری وہی اپنی راہ ہے
قربان جاؤں باپ کی حالت تباہ ہے

کس جا پہ تم پڑے ہو بتاؤ پدر نثار
آواز ہم کو اپنی سناؤ پدر نثار
ہم گر پڑے ہیں آکے اٹھاؤ پدر نثار
چھاتی سے پھر پدر کو لگاؤ پدر نثار

رخصت ہے اپنی گھر کو ذرا دیکھ بھال لو
لغزش ہے ہاتھ پاؤں میں اکبر سنبھال لو

کس سے کہوں ہیں کون تمھارا پتہ بتائے
یہ بیکس و غریب مسافر کہاں کو جائے
قسمت میں ٹھوکریں مری لکھی تھیں ہائے ہائے
اس جینے سے تو کاش خدا مجھکو بھی اٹھائے

کیا قہر ہے کہ گود کے پالوں سے چھٹ گئے
منزل پہ آکے قافلہ والوں سے چھٹ گئے

اب ہاتھ بھی پکڑ کے اُٹھاتا نہیں کوئی ۔ رونے پہ میرے رحم بھی کھاتا نہیں کوئی
یوسف کی میرے شکل دکھاتا نہیں کوئی ۔ بیٹا تمہاری لاش بتاتا نہیں کوئی
حالت ہماری کا ہے کو دیکھی ہے آپ نے
تم کو خیال ہو گا خبر لی نہ باپ نے

آئی صدا نہ کچھ تو زمیں سے کیا سوال ۔ اے خاک تجھ میں تو نہیں پنہاں ہمارا لال
آغاز ہیں سنیں ابھی اٹھارواں ہے سال ۔ وہ حُسن میں ہے صورتِ محبوب ذوالجلال
مہتاب اُس کے چہرے کی پرتو سے ماند ہے
روشن ہے رُخ سے یہ کہ اندھیرے کا چاند ہے

اے ارضِ کربلا مرا دلبر کدھر گیا ۔ اے دشتِ نینوا مہِ انور کدھر گیا
مقتل سے ہمشبیہ پیمبر کدھر گیا ۔ اے نہرِ علقمہ علی اکبرؑ کدھر گیا
نکلا ہوں میں شہید پسر کی تلاش کو
بتلا مجھے مرے دُرِ یکتا کی لاش کو

تم نے تو طائرو نہیں دیکھا مرا پسر ۔ اے آہوؤ بتاؤ مرے شیر کی خبر
اے ابر کس طرف مرا بیٹا ہے خوں میں تر ۔ اے آسماں بتا کہ مرا چاند ہے کدھر
چھایا اندھیرا رونقِ باغِ جہاں گئی
اے آفتاب روشنی تیری کہاں گئی

اے فوج ظلم بانوؑ کے دلبر کو کیا کیا　　بیکس کو تشنہ کام کو بے پر کو کیا کیا
اے ظالمو شبیہ پیمبرؐ کو کیا کیا　　ملتا نہیں پتہ علی اکبرؑ کو کیا کیا
رستہ تو دو بتا کہ بھٹکتا ہوں راہ میں
کس نے گرا دیا ہے مرے یوسف کو چاہ میں

تم نے بلا کے گھر سے نہ میرا ادب کیا　　مہمان پہ بےوطن پہ ستم بے سبب کیا
میرے بھتیجے بھانجوں پر رحم کب کیا　　فرزند نوجواں کو بھی مارا غضب کیا
اب دشمنی کرو نہ شہ مشرقین سے
بچھڑے ہوئے پسر کو ملا دو حسینؑ سے

یہ کہہ کے ہر طرف گئے با چشم اشکبار　　لیکن ملا نہ شاہ کو فرزند نامدار
خیمے کی سمت آئے جو روتے بحال زار　　چلائی سر کو پیٹ کے فضہؑ جگر فگار
یا شاہ بین بھی آنے کو تھی فوج شام میں
ملتی نہیں ہیں زینبؑ بیکس خیام میں

سب بی بیاں تھیں ڈھونڈھتی پہ یا شاہ بحر و بر　　کیا جانئے کدھر گئیں زینبؑ برہنہ سر
ڈھونڈھ آئی ہوں میں خیمۂ عباسؑ نامور　　غش تھی ابھی تو فرط قلق سے وہ نوحہ گر
پیارا ہے کس طرف یہی لب پہ کلام تھا
جاری زبان پر علی اکبرؑ کا نام تھا

اب گھر سے ڈھونڈھنے کو نکلتی ہیں بی بیاں بکھرے ہیں بال چہرہ پہ آنسو اشک ہیں رواں
پکڑے ہے کوکھ ہاتھوں سے بانوئے خستہ جاں لاشہ بتایئے علی اکبر کا ہے کہاں
اِک حشر ہوگا رئیس تن پاش پاش پر
زینب کھڑی ہو علی اکبرؑ کی لاش پر

یہ سُنکے خاک اڑانے لگے سرورِ زماں جا پہونچے لاشۂ علی اکبرؑ پہ ناگہاں
دیکھا کہ بنت فاطمہ با چشم خونفشاں لاشہ کے گرد پھرتی ہے با نالہ و فغاں
نے دوش پر ردا ہے نہ سر پر نقاب ہے
کانوں میں بندے ہلتے ہیں یہ اضطراب ہے

چلّاتی ہے کہ گود کا پالا کہاں گیا آنکھوں کا نور گھر کا اُجالا کہاں گیا
چشم و چراغ سیّد والا کہاں گیا میرا وہ لمبے گیسوؤں والا کہاں گیا
دو بیٹے کھو کے پالا ہے اس نونہال کو
برچھی سے کس نے قتل کیا میرے لال کو

زینبؑ کا حال دیکھ کے روئے شہ انام خواہر کے پاس آکے کیا اس طرح کلام
دل کو سنبھالو اب یہ ہے صبر کا مقام زندہ ہے اے بہن ابھی شبیرؑ تشنہ کام
تم جاؤ میں اُٹھاتا ہوں اکبرؑ کی لاش کو
خیمہ میں لیکے آتا ہوں اکبرؑ کی لاش کو

یہ سُنکے خیمہ میں گئی زینبؑ بچشم نم	پہونچے لپک کے پاس اُدھر قبلۂ اُمم
پُشتِ فرس پہ لاش کو رکھکر بصد الم	روتے ہوئے چلے طرف خیمۂ حرم
گردن میں باپ کے علی اکبرؑ کا ہاتھ تھا
رہوار بھی جھکائے ہوئے سر کو ساتھ تھا

پردہ اُٹھایا خیمہ کا فضّہ نے ایکبار	لائے پسر کو گھر میں شہنشاہ نامدار
زیرِ علم کھڑا ہوا اکبرؑ کا راہوار	اور گرد بیٹھنے لگیں رانڈیں بحال زار
اک حشر تھا کسی کو نہ اُسوقت ہوش تھا
گھوڑا بھی رو رہا تھا یہ رقّت کا جوش تھا

سوز

جب کھائی سناں سرورِ ریاضِ حسنی نے	دل توڑ دیا سینہ میں برچھی کی انی نے
چلّائے کہ مارا مجھے تشنہ دہنی نے	اک آہ کی تُربت میں رسولؐ مدنی نے
پھل برچھی کا سینے سے نکالا نہیں جاتا
بیتاب ہے دلِ غم سے پکارا نہیں جاتا